Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب ۱

ریل گاڑی پُوری رفتار سے جنوب کی جانب بھاگتی جا رہی تھی۔ اِس کے پہیّوں کی گڑگڑاہٹ سے دُوسرے ڈبوں میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، مگر اِس ایئر کنڈیشنڈ ڈبے میں شور دبا دبا تھا، جیسے اُوپر غلاف چڑھا ہو۔ میجر سرفراز اَپنی گدّے دار سیٹ پہ دراز، ہاتھ سر کی پُشت پہ باندھے، کھُلی کھُلی آنکھوں سے آسمان کو تک رہا تھا، گویا کسی دھیان میں ہو۔ دراصل اُس کا ذہن یکسر خالی تھا۔ کوئی آدھ گھنٹہ پہلے، دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر وہ اخبار دیکھنے لگا تھا کہ گاڑی کے دھچکوں نے ہلکوروں کا کام کیا اَور وہ اُونگھ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد گاڑی کی چال نے دوبارہ دھچکوں کی صُورت اختیار کرلی تو سرفراز نیند سے بیدار ہوگیا۔ اب وہ ٹھہری ٹھہری بے خیال نظریں کھڑکی کے شیشے پہ جمائے لیٹا تھا۔ اُس کے بدَن میں پٹھے، اَپنے اعضاء کے اَندر ابھی سکون کی حالت میں سوئے پڑے تھے۔ اَپنی مختصر اُونگھ کے دوران اُس نے جو متعدّد خُواب دیکھے تھے اُن کی جھلکیاں بِن بلائے، وقفے وقفے پر اُس کے دماغ میں آگے پیچھے ناچتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ جھلکیوں کے اِس جلُوس میں اُس کا اپنا کوئی دخل نہ تھا۔ جِس طرح خُواب اُس کے اختیار میں نہ تھے، اُسی طرح اُن کی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑتی ہُوئی مدھم سی یاد بھی اُس کے قابو سے باہر تھی۔ اِس بات سے اُس کے دِل کو ایک عجیب سی بے سکونی کا احساس ہو رہا تھا۔

یہ بات سرفراز کے مزاج کے قطعاً" برعکس تھی کہ کوئی شئے اُس کے ضبط سے باہر ہو۔ آٹھ نَو برس کی سخت فوجی ٹریننگ نے ایک اٹھارہ اُنیس سالہ خام نوجوان کو لے کر ایک ایسے ستائیس سالہ پختہ اَور بالغ مرد کی شکل میں ڈھال دیا تھا جِس کے لئے یہ امر اہم ہو چُکا تھا کہ اُس کے روزمرہ کے تمام اَندرونی اَور بیرونی عناصر اُس کے دائرہ اختیار کے اَندر ہوں۔ عہدے کا موزوں استعمال، افسر کی مکمّل اطاعت اَور ماتحت پہ گرفت، خُوش اخلاقی، راست گوئی، صاف بِینی، اصُول پرستی، قوّت فیصلہ، غرضیکہ سرفراز کی شخصیت کی تمام تر تہذیب کا دارومدار اِس خُود نظمی پہ تھا جِس کے ذریعے وہ خُود اَپنے اُوپر ہی نہیں بلکہ دُوسروں پر بھی نظم عائد کرنے کا اہل تھا۔ پیشے کی رُو سے وہ حقیقت کی دُنیا میں رہتا تھا اَور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشیاء کے ٹھوس وجود سے ہی دُنیا کا تعین کرنے کا عادی ہوچکا تھا۔ یہاں تک کہ بِن بلائے خیالات اَور احساسات بھی اُس کے ضبطِ نفس میں رخنہ انداز ہوتے تھے۔ خُواب بہرصُورت اُس کے قبضے میں نہ تھے۔

جاگتے خُوابوں کو منظم کرنے کی استطاعت اُس میں تھی، سوتے خُواب اُس کے قابُو سے باہر تھے۔ اِس وَقت ریل گاڑی کی سیٹ پہ لیٹے لیٹے، اُن خُوابوں کی جھلکیوں کو ضبط میں لانے کی آخری کوشش کرتے ہُوئے، سرفراز نے ذہن کو صرف ایک شکل پہ مرکوز کرنے کی سعی کی۔ یہ شکل نسرین کی تھی۔ نسرین جس نے اُس کا ضبط پارہ پارہ کرکے رکھ دیا تھا۔

سرفراز اَپنے گاؤں میں دو روز کی ایمرجنسی چھُٹی گزار کر واپس اَپنی یُونٹ کو حیدر آباد لوٹ رہا تھا۔ اِن دو دِنوں میں اُس کی دُنیا اُوپر کی نیچے ہوچکی تھی۔

آخر وہ نسرین کی صُورت کو سامنے لانے میں کامیاب ہوگیا۔ مقام: شہر کے سب سے بڑے باغ کا ایک کونہ تھا۔

"تُمہیں اِتنی دُور سے آنے کے لئے جلدی جلدی چھُٹی کیسے مِل جاتی ہے؟"

"ہمارے ہاتھ کا کمال ہے۔"

"میری خاطر آتے ہو؟"

"ہاں۔"

"جب مَیں نے پہلے روز دیکھا تھا تو سمجھی تھی تُم بیوقُوف فوجی ہو۔"

"ہم نے تُمہاری جان بچائی تھی اِس لئے؟"

"میں نے لِفٹ کے لئے پُوچھا تو تُم خُواہ مخُواہ دُوسری طرف سے اُتر کر باہر کھڑے ہو گئے تھے۔"

"لِفٹ دینے سے پہلے تُمہارا جائزہ نہ لیتا؟ تُمہارے جیسے دہشت گرد دُنیا میں تھوڑے ہیں؟"

"مَیں نے کہا تھا، میرا نام نسرین ہے تو اپنا تعارف کرانے کی بجائے گنواروں کی طرح میرا مُنہ دیکھتے رہے تھے۔"

"نام بتانے کا ہوش کسے تھا، مَیں تو تُمہارا مُنہ چُومنا چاہتا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ تُم سے کِس نے کہا کہ مُنہ چُومنے کے لئے ہوش و حواس کی ضرورت نہیں ہوتی؟"

"کوئی عجب نہیں کہ اُس وَقت چُوم بھی لیتا۔"

"واہ!"

"تُمہارا اَنداز ہی اَیسا تھا۔"

"کیسا اَنداز تھا؟"

"سِینے پہ بازُو باندھ رکھّے تھے اَور ہاتھ کندھوں کے ساتھ سِیئے ہُوئے تھے جیسے کبھی جُدا نہ ہوں گے۔"

"ذرا جُرأت کرتے تو دیکھتے۔"

"کیا ہوتا؟"

"ہاتھ تُمہارے مُنہ کے ساتھ سی دیتی۔"

"ہاہاہا۔۔۔۔"

"ہاہا!"

"اُس وَقت چُوم لیتا تو آج اتنی مُصیبت تو نہ کرنی پڑتی۔"

"تُمہیں اَپنے زور بازُو پہ بڑا ناز ہے!"

"اور کیا۔ یہ دیکھو، ہاتھ لگا کے دیکھو، مسل ہیں مسل۔ ارے، اوہ۔۔۔۔ بے ایمان۔"

"کیا ہوا؟ مسل ڈھیلے پڑ گئے؟"

"چڑی جتنی تُمہاری جان ہے اَور چُٹکی اَیسی کاٹتی ہو جیسے چُوہے کا دانت ہو۔"

"میری اُنگلی میں چُوہے کا دانت ہے۔"

"ٹھہرو تُمہیں ٹھیک کرتا ہوں۔"

"ارے، ارے رے رے۔۔۔۔ مت کرو سری، خُدا کے لئے، دیکھو لوگ آواز سُن لیں گے۔"

"سُن لیں گے تو سُنتے رہیں۔"

"تُمہیں پتا ہے لوگوں کا۔۔۔۔ اب تو قانُون بن گئے ہیں، لوگوں کو اَور بھی شہ مِل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لئی ہے۔"

"قانُون ہمارے لئے نہیں ہیں۔"

"اور کس کے لئے ہیں؟"

"مُحبت کرنے والوں کے لئے کوئی قانُون نہیں ہوتا۔"

"ہائے، مُحبت کا نام بھی جناب کو آگیا ہے۔ ابھی قانُون سر پہ آ چڑھے تو پتا چلے۔"

"اِدھر دیکھو، بتاؤ یہ کیا ہے؟"

"تُمہاری تصویر ہے۔ وردی میں جو کر لگ رہے ہو۔"

"نہیں جناب، یہ میرا آئی۔ ڈی ہے۔ اِس کی ایک جھلک ہی قانُون والوں کے لئے کافی ہے۔"

"یہ تو ہمیں پتا ہی ہے، شیخیاں کیوں بگھارتے ہو۔ ارے رے رے، کیا کر رہے ہو، مت کرو سرفراز، میں چیخنے لگوں گی تو تُمہاری آئی۔ ڈی دھری رہ جائے گی، ٹھہرو ٹھہرو، سُنو، شیر کی آواز۔"

"گھُررررر۔۔۔۔"

"چُپ رہو یار کیا بلّی کی طرح گھُر گھُر کر رہے ہو۔ یہ شیر کی آواز ہے۔"

"گھُررررر۔۔۔۔"

"سُنو جب میں چھوٹی سی تھی تو یہاں شیر کے دھاڑنے کی آواز سُن کر خوف سے کانپنے لگتی تھی۔ پھر بھی یہ آواز سننے کے لئے یہاں آنے کی ضِد کرتی تھی۔ عجیب بات ہے ناء؟"

"تُمہاری ہر ایک بات عجیب ہے۔"

"سیریسلی سرفراز، شیر کی آواز میں ایک عجیب و غریب اِسرار ہے۔ چونکا دینے والی آواز تو گدھے کی ہینک میں بھی ہوتی ہے اور ہاتھی کی چنگھاڑ میں بھی۔ مگر گرج کسی اور میں نہیں ہوتی۔"

"تُم نے میری گرج نہیں سنی؟"

"شاید تُمہاری آواز میں بھی ہو، مگر چھوٹی سی۔۔۔۔ اصلی نہیں ہوگی۔"

"گھُررررر۔۔۔۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"سُنو، جب کافی عرصہ گزر گیا تو آہستہ آہستہ میرا خَوف جاتا رہا۔ صرف اِس آواز کی کشش باقی رہ گئی۔ اب میرا جی چاہتا ہے اِسے پکڑ لوں۔"

"شیر کو؟"

"نہیں، اِس کی گرج کو۔ جی چاہتا ہے اِسے پکڑ کر بند کر لُوں۔"

"گرج کو کیسے پکڑ سکتی ہو؟"

"کیوں، یہ جو ہر روز گانے سُنتے رہے ہو، یہ کہاں سے آتے ہیں؟"

"وہ؟ وہ تو ٹیپ پر ہوتے ہیں۔"

"ہاہاہا۔"

"ہی ہی ہی نہ کرو۔ تُمہیں دُرست کرتا ہوں۔"

"ارے ارے، مت۔۔۔۔ مت کرو سری، ہوش کی دوا کرو۔ جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو مستی کرنے پر آجاتے ہو۔ جاہل آدمی۔ ارے۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔ آ آ ہُوں ں۔۔۔۔ ہنک ہنک۔"

نہ دُوسرا نہ تیسرا نہ چوتھا۔۔۔۔ وہ سب اُس کی یاد سے معدُوم ہو چکے تھے۔ مگر پہلا، نسرین کے لبوں کا وہ اوّلین لمس، سرفراز کے ہونٹوں پہ تازہ کِھلے ہُوئے پھُول کی مانِند قائم تھا۔ آج بھی، گو بیچ میں کئی ماہ کا عرصہ پڑتا تھا، اُس بوسے کی خُوشبو، جلد پہ اُس کی جھرجھراہٹ، ریڑھ کی ہڈی میں اُس کی سرسراہٹ موجُود تھی، جیسے کہ وہ ایک بوسہ اُس کے بدَن پر سَر سے پاؤں تک رینگتا ہوا چل رہا ہو۔ زبان کی نوک پر اُس کا ذائقہ، حلق کے اندر اُس کا لعاب، اَور شیر کی مانِند غُرّا کر اُن نازک پسلیوں کو دبوچ لینے کی لذت۔۔۔۔ آج بھی اُس ایک سفّاک لمحے کی یاد اُس کے دِل کو بے چین کرتی تھی۔

نسرین کے ساتھ اُس کی پہلی ملاقات:

ہندوستان کی قید سے لوٹنے پر سرفراز کی دو ماہ کی چھُٹی کے آخری دِن تھے۔ اُس کا دوست کیپٹن جمال، جِس کی یونٹ شہر میں تعینات تھی، اَور سرفراز، جمال کی جِیپ میں سوار شہر کی مرکزی سڑک پر جا رہے تھے کہ ایک مظاہرے کے بیچ پھنس گئے۔ وہ آرام سے جِیپ دوڑائے جا رہے تھے کہ اَچانک اُن کا سامنا ایک جِم غفیر سے ہُوا جو سڑک کے آر پار دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ کئی ہزار کا مجمع تھا۔ انوکھی بات یہ تھی کہ یہ مجمع تمام تر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورتوں پہ مشتمل تھا۔ بوڑھی، جوان، اَدھیڑ عُمر عورتیں، چادریں اَوڑھے، بُرقع پوش، شلوار قمیض پہنے، ساڑھیاں لپیٹے، امیر عورتیں، غریب عورتیں، ہر نوع کی عورت اِس ہجُوم میں شامل تھی۔ چند ایک کے ہاتھوں میں جھنڈے تھے۔ اِن جھنڈوں کے آس پاس عورتوں کے گروہ، تنگ تنگ دائروں میں گویا دریا کے اَندر محراب کی مانِند گول گول چکّر لگاتے ہُوئے نعرے لگا رہے تھے۔ نعرے لگانے والوں میں زیادہ تر جوان عورتیں تھیں۔ پکی عُمر کی عورتیں گو تماشائیوں کی مانِند کھڑی، چہرے اُٹھائے سروں کے اُوپر اُوپر دیکھ رہی تھیں مگر ظاہر تھا کہ جلُوس میں اُن کی حیثیت برابر کے شریک کی سی تھی۔ سڑک پہ اِس ہجُوم کا بند بندھا تھا۔ آگے نِکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

جمال نے ٹھٹک کر جیپ روک لی۔ دونوں اچنبھے کی حالت میں جیپ کے اَندر بیٹھے اَپنے سامنے یہ ریل پیل دیکھنے لگے۔ عورتوں کا اِتنا بڑا مجمع یُوں کھُلے بندوں دندناتا ہوا اُنہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ حیرت اُن کو اِس بات پہ ہو رہی تھی کہ سڑک کا موڑ مڑنے تک اِس جلوس کے کوئی آثار دکھائی نہ دیئے تھے۔ رستے میں پولیس کے سپاہیوں کی تعداد روزمرہ سے کچھ زیادہ تھی، ایک آدھ فوجی گاڑی بھی دیکھنے میں آئی تھی، مگر یہ تو شہر کا معمول ہوچکا تھا۔ اِس کے علاوہ کوئی شوروغُل، بھاگ دوڑ یا تماشائیوں کا غول دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ فروری کا مہینہ ابھی شُروع ہی ہُوا تھا مگر دُھوپ کی رنگت بدلنا شُروع ہوگئی تھی۔ آسمان کے سبزی مائل نیلے رنگ میں ہلکی سی پیلاہٹ آچکی تھی۔ ہوا بند تھی اَور درختوں کے جامد پتے دھات سے ڈھلے ہُوئے معلُوم ہوتے تھے۔ چند لمحے پیشتر تک سرفراز اَور جمال کے دِل کے اَندر صرف ایک ہی خیال تھا، کہ کیسے وہ جلد سے جلد جمال کے مینس میں پہنچیں اَور وہاں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر گرم گرم کافی کا آرڈر دیں اَور اَپنے ہم پیشہ افراد کے بارے میں تازہ ترین خبروں کا تبادلہ کریں۔ مگر جُونہی جمال سڑک کا موڑ مڑا، سامنے یہ اجتماع نظر آیا جو سارا ٹریفک روکے کھڑا تھا۔

جیپ کے رُکنے پر انجن کا شور کچھ کم ہوا تو اُن کے کان میں نعروں کی آواز پڑی۔ ہر طرف سَر ہی سَر نظر آ رہے تھے۔ سروں کے اُوپر نعرے بلند کرنے والیوں کی دس دس، بیس بیس بانہیں بار بار گِر اَور اُٹھ رہی تھیں۔ جلوس کے گِرداگِرد پولیس کے سپاہیوں کا گھیرا تھا جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں پکڑی تھیں۔ اُن کے افسروں کی دو جیپیں بھی سڑک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کنارے رُکی نظر آ رہی تھیں۔ ایک پولیس کا کُھلا ٹرک سڑک چھوڑ کر فٹ پاتھ پر چڑھا کھڑا تھا جس کے عقبی حصے میں بینچ نُما سیٹوں پر ایک درجن رائفل بردار سپاہی بیٹھے تھے۔ جمال اَور سرفراز کی جیپ کے آگے کئی کاریں، ویگنیں، رکشے اَور ٹرک رُکے کھڑے تھے جن میں سے کئی ایک عادتاً ہارن پر ہارن بجائے جا رہے تھے۔ سرفراز اَور جمال نے ایک ساتھ اَپنے سیاہ چشمے اُتارے اَور دُھوپ کی چمک کے سامنے آنکھیں مُسکیڑ کر اِس منظر کو دیکھنے لگے۔ اچنبھے کے عالم میں سرفراز کے ہونٹوں کے بیچ سے ہلکی سی سیٹی نکلی، جیسے کہ کہہ رہا ہو، بھئی واہ، دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے؟

چند ہی منٹ کے اندر اُن کے پیچھے بھی گاڑیوں کی قطاریں لگ گئیں۔ نہ آگے جانے کا رستہ رہا نہ پیچھے۔ یکایک مجمعے میں بھگدڑ مچ گئی۔

اَن گنت سروں کی لہریں، جو کسی سطحِ دریا کے مانند خم کھا کھا کے اَندر ہی اَندر بہہ رہی تھیں، یک دم ٹُوٹ پھوٹ گئیں، جیسے کناروں سے ٹکرا کر ہوا میں قطرہ قطرہ ہو گئی ہوں۔ سروں کے اُوپر اُٹھے ہُوئے جھنڈے گر کر ہجُوم میں غائب ہو گئے۔ نعروں کی جگہ عورتوں کی تیز چیخیں اَور خوف زدہ باریک آوازیں فضا میں بلند ہونے لگیں۔ برقعہ پوشوں نے نقاب اُلٹ دیئے، اَور جب ایک دُوسرے سے ٹکرا کر، ٹھوکر کھا کر گریں تو نقاب اُتر کر غائب ہو گئے۔ دوپٹے اَور چادریں سروں سے گھسیٹی گئیں۔ ہر جانب ننگے سَر نظر آنے لگے۔ سامنے دو عورتیں ایک ہی دوپٹے کو اَپنی اَپنی جانب کھینچ رہی تھیں۔ کپڑوں، بازُووں اَور چوٹیوں کی رسّہ کشی جاری تھی، اَور اِس چھینا جھپٹی کے دوران چیخ و پُکار کا طوفان مچا تھا۔

"او مائی گاڈ"، جمال کے مُنہ سے نکلا۔ "پولیس ایکشن؟"

دونوں نے مجمعے کے عقب سے سروں کے اُوپر لاٹھیاں اُٹھتی اَور گرتی اَور پھر اُٹھتی ہُوئی دیکھیں۔ عورتوں کا ایک غول گرتا پڑتا اَور بھاگتا ہوا کاروں اَور ویگنوں کی جانب بڑھا اَور اُن کے بیچوں بیچ، پیچ در پیچ لڑکھڑانے لگا۔ ایک چالیس سالہ بھاری بھرکم عورت، جسے دَوڑ کا ایک قدم اُٹھائے غالباً بیس برس ہونے کو آئے تھے، بھدے طریقے سے بھاگتی ہُوئی اُن کے پاس سے گزری۔ "ہائے ظالمو، ہائے ظالمو" وہ روتی ہُوئی پکارتی جا رہی تھی، جیسے ماتم کر رہی ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس عورت کے پیچھے اَچانک ایک نوجوان لڑکی نمودار ہُوئی۔ وہ ننگے سَر تھی۔ اُس کے بال شانوں تک کٹے ہُوئے تھے جو اِکٹھے کر کے پیچھے ربڑ کے دھاگے سے باندھے گئے تھے۔ اُس کے ماتھے پہ ایک معمولی سا زخم تھا جس سے خُون رِس رہا تھا۔ اُس نے ہلکی سویٹر پہن رکھی تھی۔ اوڑھنی کی غیر موجُودگی میں اُس نے دونوں بازُو سینے پر قینچی کی شکل میں باندھ رکھے تھے اَور ہاتھوں سے دونوں شانوں کو پکڑے تھی، جیسے کہ اَپنے آپ کو چھپانا اَور ساتھ ہی تھام کر رکھنا چاہتی ہو۔ فوجی جیپ کو دیکھ کر لڑکی چند قدم کے فاصلے پر رُک گئی۔ کئی لمحوں تک وہ جیپ کے شیشے میں سے جمال کو ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ اُس کی نگاہیں بے خَوف تھیں۔ پھر وہ آگے بڑھی اَور گاڑی کے دروازے کے پاس آ کر رُک گئی۔ اُس کے آس پاس عورتیں روتی چیختی ہُوئی بھاگی جا رہی تھیں۔ لڑکی نے جیپ کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی نہ کچُھ بولی، بس چپکی کھڑی رہی۔ اُس کے نازک جسم کے باوجود اُس کے اَنداز میں دہشت کے کوئی آثار نہ تھے۔ جمال نے دروازہ کھولا اَور چہرہ اُٹھا کر سوالیہ نظروں سے لڑکی کو دیکھا۔

"پلیز،" وہ بولی، "آپ مجُھے لِفٹ دے سکتے ہیں؟"

لڑکی کے حلق سے نِکلتی قدرے بھاری، گہری اَور پُرسکون آواز سُن کر جمال اَور سرفراز کو کچُھ حیرت سی ہُوئی۔

"آپ کے لئے،" لڑکی پھر بولی، "یہاں سے نکلنا آسان ہو گا۔"

اُس کا لہجہ نہ تحکمانہ تھا نہ عاجزانہ، مگر صاف سپاٹ بھی نہ تھا۔ اُس کے اَندر کوئی اَیسا اَن جانا اَنداز تھا کہ جمال اَور سرفراز، دونوں بِلا تامّل، اَپنی اَپنی سِیٹ سے اُٹھ کر جیپ کے باہر کھڑے ہو گئے۔ پولیس کا ایک سپاہی جو بے دِلی سے دو عورتوں کا پیچھا کر رہا تھا، فوجی گاڑی کو دیکھ کر ٹھٹکا اَور فوراً پلٹ کر دُوسری جانب کو روانہ ہو گیا، جیسے اَپنی ڈیوٹی ادا کر چُکا ہو۔ جمال نے اَگلی سِیٹ اُلٹا کر پیچھے نِکلنے کا رستہ بنایا۔ لڑکی بازُو اَپنی جگہ سے ہِلائے بغیر جھُک کر اَندر داخل ہُوئی اَور اِسی طرح پچھلی سِیٹ پر جا بیٹھی۔

جمال نے آگے پیچھے نظر دوڑا کر ٹریفک کا جائزہ لیا، ہاتھ اُٹھا کر پچھلی دو چار گاڑیوں کو رستہ چھوڑنے کا اشارہ کیا اَور دِل میں گاڑی نکالنے کا کوئی رستہ بنایا۔ وہ جھُک کر اَندر بیٹھنے ہی والا تھا کہ ایک عُمر رسیدہ دیہاتی عورت اِس بھاگ دَوڑ کے درمیان، کمزور چال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے چلتی ہُوئی آ کر جمال کے سامنے رُک گئی۔ اُس نے کمر میں تہمد باندھ رکھا تھا اَور گلے میں سیاہ ململ کا کھُلا کُرتہ پہنا ہُوا تھا۔ اُس کا سَر مختصر سی دَسترخُوان نُما چادر سے ڈھکا تھا۔ عورت نے جیپ کے بونٹ پر ہاتھ رکھ کر جسم کو سہارا دیا اَور مُنہ اُٹھا کر چند لمحے خاموشی سے جمال کو دیکھتی رہی۔ اُس کے چہرے پہ لجاجت پھیلی تھی اَور اَنداز سے ظاہر تھا کہ مدد کی طلب گار ہے۔ جب اُس نے مُنہ کھولا تو اُس کا لہجہ اُسی طرح مسکین تھا، مگر الفاظ قطعی مختلف تھے۔

"پُتّر"، وہ بولی، "تمہاڈیاں مانواں نے تُہانوں دُدھ نہیں بخشنا۔"

جمال اُس کی بات سُن کر ایسا ٹھٹکا کہ خالی خالی نظروں سے بوڑھی عورت کو دیکھتا رہا، جیسے کہ اُس کی زُبان گنگ ہو گئی ہو۔ عورت نے جیپ سے ہاتھ اُٹھایا اَور آہستہ سے جہاں کھڑی تھی وہیں پر بیٹھ گئی۔ زمین پہ بیٹھ کر اُس نے اپنا سَر دونوں ہاتھوں میں لیا، کہنیاں گھٹنوں پہ ٹکائیں، اَور چُپکے چُپکے رونے لگی۔

جمال اَپنی جگہ پہ کھڑا حیرت سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے جلدی سے سرفراز پہ ایک نظر ڈالی اَور جھُک کر جیپ میں بیٹھ گیا۔ سرفراز نے اَپنی سیٹ پہ بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ جمال نے آگے سڑک پہ نظر دوڑائی تو رستہ کچھ صاف ہوتا نظر آیا۔ دیہاتی عورت جیپ کے پہیئے کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ جمال نے احتیاط سے سٹیرنگ گھما کر گاڑی آگے بڑھائی۔ ابھی وہ چند ہی گز گیا ہو گا کہ پچھلی سیٹ سے پھر وہی گہری، حیرت ناک آواز آئی۔

"حرام زادوں نے میرا دوپٹہ پھاڑ دیا ہے۔"

جمال اَور سرفراز اَبھی دیہاتی عورت کے وار سے سنبھلنے نہ پائے تھے۔ لڑکی کی بات نے اُن میں غیر معمولی ردِ عمل پیدا کیا۔ جمال نے ایکسیلیٹر پر پاؤں مارا، ہارن پہ ہاتھ رکھ کر دبایا اَور دیر تک دبائے رکھا۔ شور مچاتی جیپ نے ایک مختصر سا تیز فراٹا بھرا اَور اَپنے آگے گاڑیوں، سپاہیوں اَور بھاگتی ہُوئی عورتوں کو بکھیرتی، راستہ چیرتی ہُوئی نکلنے لگی۔ اُسی لمحے سرفراز نے جھٹکے سے مُنہ موڑ کر پیچھے دیکھا۔ اُس کے دِل میں حیرت اَور نامعلُوم سے غصے کے ملے جلے جذبات تھے۔

بازُوؤں سے سینہ ڈھکے اَور ہاتھوں سے کندھوں کو تھامے ہُوئے لڑکی اُسی صُورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اُس کی ہڈی پتلی اَور جسم انتہائی دُبلا تھا۔ اُس کا وزن بمشکل ایک من کا ہو گا، مگر اُس کے لہجے کی مانند اُس کے سر اَور چہرے سے بدن کی نزاکت کا کوئی نشان نہ ملتا تھا۔ اُس کا ماتھا چوڑا، رنگ صاف، بڑی بڑی پُراعتماد آنکھیں اَور ناک نقشہ موزوں تھا۔ اُس کے ماتھے کی خراش پہ جمتا ہُوا خُون بے اصل سا دکھائی دے رہا تھا۔

"ٹھہریئے ٹھہریئے،" وہ جلدی سے بولی، "ذرا ایک مِنٹ رُکیئے، پلیز---- میری کتابیں----"

یک دم بریک لگنے سے جیپ ایک دھچکے کے ساتھ رُک گئی۔ سڑک پر سینکڑوں چھوٹی بڑی اشیاء کے علاوہ کئی کتابیں، کاپیاں، پین اَور پنسلیں بکھری پڑی تھیں۔ اب یہاں پہ جلوس کی اِکا دُکا عورت رہ گئی تھی جو بوکھلائی ہُوئی بے سمت اِدھر اُدھر پھر رہی تھی۔ زیادہ تعداد پولیس کے سپاہیوں کی تھی جو دو دو چار چار کی ٹولیاں بنائے اَپنی لاٹھیوں کے سہارے کھڑے تھے۔ سرفراز اَپنی سیٹ پہ بیٹھا رہا۔ جمال دروازہ کھول کر باہر نکلا اَور اَپنی سیٹ اوندھی کر کے دروازے پہ کھڑا اِنتظار کرنے لگا۔ لڑکی جھُک کر دروازے سے باہر نکلی۔ اب سرفراز کی نظروں میں تحیّر ہی تحیّر تھا۔ پچھلے چار پانچ مِنٹ کے دوران، جب سے اُنہوں نے لڑکی کو پہلی بار دیکھا تھا، اُس کے بازُو اَپنی جگہ نہ ہلے تھے۔ جیپ میں داخل ہوتے ہُوئے، سیٹ پہ بیٹھے ہُوئے، بات کرتے، اَور اب جھُک کر باہر نکلتے ہُوئے اُس نے ہاتھ سے نہ ماتھے کے زخم کو چھُوا تھا، نہ کسی شئے کا سہارا لیا تھا۔ اب جب کہ وہ سڑک پر چل پھر کر گری پڑی کتابوں اَور کاپیوں کو جھُک جھک کر دیکھ رہی تھی تو بھی اُس کے ہاتھ شانوں کو گرفت میں لئے ہُوئے تھے۔ یُوں معلُوم ہوتا تھا گویا پیدا ہی اِس انداز سے ہُوئی ہو۔ اُسی صُورت میں وہ سڑک سے پلٹ آئی۔ جمال کے قریب آ کر اُس نے نفی میں سر ہلایا۔ ایک بار پھر وہ کسی چیز کو چھوئے بغیر، جھکے جھکے، اُس تنگ سے راستے سے داخل ہو کر پچھلی سیٹ پہ جا بیٹھی۔

"نہر کو پار کر کے بائیں کو ہولیں تو آپ کی مہربانی،" وہ بولی، "مجھے کینٹ جانا ہے۔"

"میں آپ کو کینٹ میں ہی اَپنے ہسپتال لئے چلتا ہُوں" جمال نے جواب دیا، "آپ کے زخم کو دکھالیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی لوئی بات نہیں،" لڑکی نے کہا، "معمولی سی خراش ہے۔"

سرفراز نے غیر ارادی طور پر مُڑ کر اُسے دیکھا۔ مگر لڑکی نے نہ ہاتھ اُٹھا کر ماتھے کو چھُوا نہ ہی خُون کے باریک قطروں کو پُونچھنے کی کوشش کی۔ "کِسی نہ کِسی کو تو دکھانا ہی ہو گا آپ کو،" جمال نے کہا، "یہاں ذرا اچھی طرح سے ڈریسنگ وغیرہ ہو جائے گی۔ جلد فارغ ہو جائیں گے۔ پھر مَیں آپ کو گھر چھوڑ دُوں گا۔"

لڑکی ایک مِنٹ تک خاموش رہی۔ سرفراز نے تیسری بار پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ لڑکی نے اَپنے سَر کو ذرا سا موڑ کر، پہلی بار، سیدھا سرفراز کی آنکھوں میں دیکھا۔ "چلئے، آپ کہتے ہیں تو چلے چلیں،" وہ نظر ہٹائے بغیر بولی، "شکریہ۔"

سرفراز کو لگا جیسے وہ اُس کو دیکھ نہیں رہی بلکہ اُس کی آنکھوں میں جھانک رہی ہے۔

"میرا نام نسرین ہے۔" وہ آنکھ جھپکے بغیر بولی۔

سرفراز کی زُبان کو گویا تالا لگ چُکا تھا۔ اُس نے محسُوس کیا کہ وہ اَپنی نظر کی تار توڑنے سے قاصر تھا۔

"میرا نام جمال ہے،" جمال نے جِیپ چلاتے ہُوئے جواباً کہا۔ "یہ کیپٹن سرفراز ہیں۔"

"جی" نسرین بولی۔

سرفراز یک دم گھرا جھینپ گیا۔ دوبارہ مُڑ کر بیٹھنے میں اُس کی تمام تر قوت اِرادی صرف ہو گئی۔ "یہ مجھے کیا ہو گیا تھا۔" اُس نے دِل میں سوچا۔

بعد میں، جب بھی کبھی اُس نے اِس بارے میں سوچا، اُس کا ذہن اِس ایک لمحے پر ہی جا کر اٹکا تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب اُسے اَچانک، بغیر سوچے سمجھے اَور خیال کئے ہُوئے، اُس انجانی لڑکی سے مُحبت ہو گئی تھی۔

کھڑکی کے شفاف شیشے کی چوکھٹ سے سرفراز کو صرف آسمان نظر آ رہا تھا، جِس پہ اِس وَقت دوپہر کی تپی ہُوئی سفیدی کُچھ ماند پڑ رہی تھی اَور نیلاہٹ اُس کی جگہ اُبھرتی آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی۔ اپنی سیٹ پہ لیٹے لیٹے، آسمان پہ نظر جمائے ہُوئے، اُس کے دِل میں پھر اُسی نامعلوم سی بے چینی نے سر اُٹھایا۔ خُوابوں کی بے قابو جھلکیاں اُس کے خیالات کو بکھیرنے پہ مصر تھیں۔ ریل گاڑی واضح طور پر حرکت میں تھی۔ پہیّوں کی گڑگڑاہٹ اَور ڈبّے کی ہلچل اِس بات کی گواہ تھی کہ گاڑی کئی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حیدر آباد کی جانب رواں تھی۔ مگر کھڑکی میں آسمان کا چوکھٹہ قطعی ساکن اَور بے حرکت تھا۔ کبھی کبھار کوئی پرندہ اُونچی پرواز کرتا ہوا اِس چوکھٹے کو کاٹتا تو ریل کی حرکت کا ثبوت ملتا۔ مگر کئی مِنٹ گزر چکے تھے اَور کوئی پرندہ نظر نہ آیا تھا۔ ساکت و جامد آسمان سرفراز کو اِس حرکت سے، جسے وہ اَپنے بدَن میں محسُوس کر رہا تھا، الگ رکھے ہُوئے تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر زمین پہ پڑی اُسے محسُوس ہوا گویا اُس کا توازن بحال ہو گیا ہو۔ بھورے رنگ کی ریتلی زمین اَور اُس پہ اُگے ہُوئے مٹیالے درخت، پست قد جھاڑ، آموں کے گہرے اَندھیرے والے، سیاہی مائل سبز باغ، گندے پانی کے جوہڑ، اُن کے اَندر نہاتی ہُوئی بھینسیں اَور اُن کے کنارے جلی ہُوئی جلدوں والے بچے، کہیں کہیں چٹیل میدانوں سے اُٹھتے ہُوئے گرد کے بگولے اَور سورج کی آگ کے آگے مُنہ سر ڈھکے، پگڈنڈیوں پر چلتے ہُوئے اِکّا دُکّا مسافر فرانے بھرتے ہُوئے پیچھے کی جانب اُڑے جا رہے تھے۔ اُنہیں دیکھتے دیکھتے سرفراز کا دو لخت ذہن یک جا ہونے لگا۔ چند ہی مِنٹ کے اَندر اُس کے دِل کی بے چینی کم ہو گئی۔ آدھ گھنٹے کی ہلکورے لیتی ہُوئی نیند اَور خُوابوں کی بے لگام جھلکیوں نے اُس کے فہم اَور بدَن کے درمیان جو دراڑ ڈال دی تھی، زمین کی رفتار نے اُسے بھر دیا تھا۔ وہ دوبارہ ہاتھ سر کی پُشت پہ باندھ کر سیدھا سیٹ پر لیٹ گیا۔ زمین ایک بار پھر اُس کی نظر سے غائب ہو گئی۔ مگر آسمان کا جامد ٹکڑا اب اُس کی پریشانی کا باعث نہ بن رہا تھا۔ صرف ایک مکھی ڈبّے میں کہیں سے داخل ہو گئی تھی جو شیشے کو آزادی کا رستہ سمجھ کر بار بار اُس کے ساتھ سر پٹک رہی تھی۔ ڈبّے کی باقی تین سیٹیں خالی تھیں۔ سرفراز کے علاوہ تین آدمی---- ایک سوداگر (کرتے کے نیچے پھُولی ہوئی جیبوں والی واسکٹ) ایک زمیندار (سفید قمیض شلوار، کالی عینک، لبوں سے تراشی ہُوئی، ناک پہ چڑھی مونچھیں)، اَور ایک غالباً سول کا افسر (اُونچی کیس، پُراعتماد چال، موٹے گال، زردی مائل جلد، چشمہ)---- جو سرفراز کے ساتھ ہی سوار ہُوئے تھے، بیچ کے سٹیشنوں پہ اُتر چکے تھے۔ پھر ایک اگلے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سٹیشن سے ایک پیر صاحب اَور اِن کے دو جوان بیٹے ڈبے میں سوار ہُوئے۔ پیر صاحب اَور اُن کا بڑا بیٹا پلیٹ فارم پر اَپنے بیسیوں پیروکاروں میں گھرے کھڑے بات چیت کرتے رہے، حتیٰ کہ گارڈ نے سیٹی دے دی۔ پھر مُریدوں نے جھُک جھک کر، پیر صاحب کے ہاتھ چُوم چُوم کر اَور گھٹنے چھُو چھُو کر اُنہیں رُخصت کیا۔ سرفراز اَپنی جگہ پر لیٹا خُوانچے والوں اَور اخبار رسالے بیچنے والوں کو آتے جاتے اَور پریشان مسافروں کو دوڑ بھاگ کرتے ہُوئے دیکھتا رہا۔ اِس سارے منظر کے آگے اکلوتی مکّھی شیشے پر اپنا سَر پٹختی رہی۔ اِس مکّھی کو دیکھ دیکھ کر سرفراز کے دِل میں ہلکی سی بے اطمینانی اَور ساتھ ہی ساتھ ہلکی سی دلجمعی کا احساس اُبھرا۔ اُس نے دوبارہ اَپنے خیالات کا رُخ موڑنے کی کوشش کی۔

"ہینڈز آف!" بعد میں اُس روز سرفراز نے جمال سے کہا تھا۔

"کچھ شرم کرو،" جمال نے جواب دیا تھا۔

"نیور مائنڈ، تُو نے کوئی پیش قدمی کی تو پھر خیر نہیں۔"

"آل رائٹ، آل رائٹ،" جمال نے دونوں ہاتھ ہوا میں اُٹھاتے ہُوئے جواب دیا، "میں دستبردار ہوتا ہُوں۔"

"گڈ،" سرفراز نے ہوا میں مُکّا چلاتے ہُوئے کہا۔

اِس طرح گویا اُس نے مُہر کی شکل میں نسرین پر اپنا حق ثبت کر دیا تھا۔

بھن، بھن، بھن، بھن۔

مکّھی اب سرفراز کے سَر کے گِرد بھنبھنا رہی تھی۔ پہلے اُس کا سَر اَور مُنہ مکّھی کے وار سے بچنے کے لئے اِدھر سے اُدھر جھٹک رہا تھا، اُس کے بعد ہاتھ اَور بازُو مکّھی کو بھگانے اَور پھر اُسے پکڑنے کے لئے ہوا میں چھوٹے چھوٹے چکّر کھانے لگے۔ آہستہ آہستہ اُس کے سارے بدَن میں مقید ایک ایک پٹھا نیند سے جاگ اُٹھا۔ جب وہ سکول میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑھتا تھا تو ایک ہی وار میں مکھی کو اپنی مٹھی میں قابو کر لیا کرتا تھا۔ مگر اب یہ گُر اُس کے ہاتھ سے نِکل چُکا تھا۔

سرفراز نے اخبار کو دُہرا کیا اور گول لپیٹ کر اُس کا ڈنڈا بنالیا۔ اب وہ مکھی پر جھپٹنے کے لئے کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ پیر صاحب چادر تانے گہری نیند سو رہے تھے۔ اُن کے مہیب خراٹوں کی آواز چادر کے اندر سے برآمد ہو رہی تھی۔ مکھی نے اُس سفید چادر کو گویا اپنی سرزمین بنا لیا تھا۔ وہ پُھدک کر اُڑتی، ہوا میں دو چار قلانچیں بھرتی، ایسی برق رفتاری سے کمرے کے کونے کونے میں پھرتی کہ نظروں سے غائب ہو جاتی، پھر چشم زدن میں پلٹ کر پیر صاحب کی چادر پر آ بیٹھتی۔ مکھی کی ہر اُڑان کے دوران سرفراز کے ہاتھ میں پکڑا ہوا اخبار کا ڈنڈا مکھی کے تعاقب میں اُلٹی سیدھی بے ترتیب اور بے توازن حرکات کرتا، فضا کو دائیں اور بائیں، اُوپر اور نیچے کاٹتا، پھر یک دم ہوا میں اُٹھا اُٹھا رُک جاتا، جب کہ مکھی آرام سے چادر پہ بیٹھی ہوتی۔ اِسی طرح ہوا میں شمشیر زنی کرتے ہُوئے اُس نے اُوپر نظر اُٹھائی تو بڑا بیٹا لیٹا لیٹا آنکھیں کھولے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس وَقت سرفراز کی حالت یہ تھی کہ وہ اخبار کا ڈنڈا ہاتھ میں اُٹھائے، سوئے ہُوئے پیر صاحب کے اُوپر جھکا ہُوا تھا، گویا اُن پر وار کرنے والا ہو۔

"ایک مکھی،" وہ جھینپ کر بولا، "دیر سے تنگ کر رہی ہے۔"

پیر صاحب کے بیٹے نے مشکوک نظروں سے سرفراز کو دیکھا۔ پھر کروٹ بدل لی۔ سرفراز نے دانت پیس کر پیر صاحب کی چادر کے اُوپر اُوپر تلوار چلائی۔ اب مکھی کھڑکی کے شیشے سے سر پٹک رہی تھی۔ سرفراز کی آنکھوں میں ایک ایسے شکاری کی سی چمک پیدا ہُوئی جس نے شکار کی بُو سونگھ لی ہو۔ مکھی نے ایک بار پھر اپنے آپ کو اُس شفاف، اَن دیکھی دیوار میں قید کر لیا تھا۔ وہ بے معلُوم پردہ جس کے آر پار مکھی کی آنکھ دیکھ سکتی تھی، مکھی کو اندھا کر چُکا تھا۔ سرفراز کے اندر بدامنی کی جو دیوار کھڑی تھی وہ بھی شیشے کی مانند بے داغ اور بے معلُوم تھی اور اِس نے سرفراز کی بینائی کو معدُوم کر رکھا تھا۔ کئی سیکنڈ تک وہ اکڑا ہوا، چوکس بدن لئے بے حرکت کھڑا نشانہ باندھتا رہا، جیسے وہ مکھی نہیں بلکہ اِس دیوار کو جو پچھلے چوبیس گھنٹے میں اُس کے اندر کھڑی ہو چکی تھی، منہدم کرنا چاہتا ہو۔ آخر اُس نے جھپٹ کر ایک زوردار وار سے مکھی کو جالیا۔ پٹاخے دار آواز بلند ہونے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیر صاحب چونک کر جاگ اُٹھے۔ اُنہوں نے چادر ہٹا کر سُرخ سُرخ آنکھوں سے سرفراز کو دیکھا۔ سرفراز اُن سے بے خبر کھڑا مکّھی کو دیکھ رہا تھا جو اب نیچے فرش پہ ایک سیاہ دھبے کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔ مڑنے سے پہلے سرفراز نے اپنا پیر اُس پہ رکھا اور بدن کا پُورا بوجھ اُس پہ ڈال کر جوتے کے تلے سے مکّھی کو مسل کر رکھ دیا۔ پھر وہ اپنی سیٹ پہ جا بیٹھا۔ اب وہ اُس بے نشان شیشے کے وجُود سے بے خبر باہر زمین کو دیکھ رہا تھا جہاں دُھوپ میں نچڑے ہُوئے کھیت اور فصلیں اور مویشی اور کسان اُلٹے پاؤں بھاگتے چلے جا رہے تھے۔ وقت کے وجُود سے بے خبر، سرفراز کا دھیان بھی پیچھے کی جانب بھاگتا ہوا دُور تک نِکل گیا۔

دُھوپ۔

ایک برسہا برس پُرانی دُھوپ تھی جِس کی شکل بھی یہی تھی، مگر اصلیت مختلف تھی۔ پُرانی دُھوپ کی آنکھ میں جادُو تھا۔ اُس قدیم دُھوپ کی عُمر تین سال کی تھی اور اُس کے بدَن میں جو تناؤ اور سطح پہ جو چُکا چوند تھی وہ آج کی اِس تازہ دُھوپ میں مفقود تھی۔ سردیوں کی اُس دُھوپ کے اندر گاؤں کے باہر میدان میں ریچھ اور جادُو کا کھیل ہو رہا تھا۔ سارے گاؤں کے بچے، کُچھ عورتیں، اور چند جوان اور بُوڑھے مرد دائرہ بنائے بیٹھے تھے۔ دائرے کے اندر ایک بہت بڑا، پہاڑ جتنا کالا ریچھ اپنی نکیل کی رسّی کے آگے سر جھکائے، تھوتھنی زمین پہ رکھے لیٹا تھا۔ کالی ڈاڑھی والا فقیر ریچھ کو نچانے سے پہلے کٹورے کے جادُو کا کھیل دکھا رہا تھا۔ پہلے اُس نے زمین کے ایک ہموار حصے پر کپڑا پھیر کر اُسے صاف کیا۔ اُس کے بعد اپنے تھیلے سے ایک چھوٹی سی رنگ برنگی گیند نکالی اور اُنگلی اور انگوٹھے میں اُٹھا کر چاروں طرف لوگوں کو دکھائی، پھر گیند کو زمین پر رکھا اور تیزی سے ایک سِلور کا کٹورہ اُوپر اوندھا کر کے گیند کو ڈھانپ دیا۔ اب اُس نے نکیل کی رسّی کھینچ کر ریچھ کو اُٹھایا اور اپنی جگہ سے ہلے بغیر، رسّی کی مدد سے ریچھ کو میدان کے چکّر لگوائے۔ اِس دوران وہ رسّی کو ہاتھ پر لپیٹ کر اُس کے طول کو کم کرتا گیا حتیٰ کہ ریچھ کا دائرہ کٹورے کے حلقے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تک محدود ہو کر رہ گیا۔

"انتر جنتر باز قلندر، بچہ جمورہ بول اِک منتر،" فقیر نے تان لگائی، "چل بیٹا چل، مہربانوں کو جادُو کا کھیل دکھا۔" اُس نے نکیل کو تک دی تو سدھے ہُوئے ریچھ نے اَپنی تھوتھنی اوندھے کٹورے سے لگا دی۔ ایک مِنٹ تک وہ اُسی طرح تھوتھنی کو کٹورے پر رکھے کھڑا رہا۔ پھر فقیر نے نکیل کھینچی تو ریچھ سَر اُٹھا کر دوبارہ کٹورے کے گرد چکّر لگانے لگا۔

"بزرگو، نمبردارو، بیبیو اَور بچو نگڑو، دُنیا میں میرا نہ مائی نہ باپ، نہ بی بی نہ اولاد، بس یہ ایک بے زُبان جانور میرا بچہ۔ مہربانو، اِس بچّے کے مُنہ میں زُبان نہیں مگر اِس کا پیٹ کرتب سے ہے بھرا ہوا۔ میرے بھائیو، دیکھو، ہماری تُمہاری آنکھ کے سامنے، ہماری تُمہاری نظر کو مات دے کر، یہ بچہ گیند اُڑا کر اَپنے دیس کو چلا گیا ہے۔ اے ے ے بھائیو اَور بہنو، ہوش سے دیکھو اَور اِس بچّے کے جادُو کی گواہی اَپنی آنکھ سے طلب کرو۔"

یہ کہہ کر فقیر نے جو کٹورہ زمین سے اُٹھایا تو نیچے کچھ بھی نہ تھا۔ گیند غائب ہو چکی تھی اَور زمین خالی پڑی تھی۔ فقیر نے کٹورہ ہاتھ میں اُٹھایا اَور ایک لوہے کے چمچے سے ٹن ٹن بجاتے ہُوئے گھُوم گھُوم کر لوگوں کو دکھانے لگا۔ کٹورہ خالی کا خالی تھا۔ بچّے تو بچے، بڑے لوگ ہکّا بکّا رہ گئے۔ کٹورہ بجاتے بجاتے یکایک پھر فقیر نے ایک قلانچ بھری اَور جھک کر ریچھ کی پچھلی ٹانگوں کے بیچ ہاتھ مارا۔ جب اُس نے ہاتھ باہر نکالا تو ایک اُنگلی اَور انگوٹھے کے درمیان وہی گیند پکڑی ہُوئی تھی۔ فقیر نے ایک نعرہ لگایا اَور لوگوں کے حلقے کی حد کے ساتھ ساتھ گھُومتے ہُوئے گیند ایک ایک کی آنکھوں کے سامنے لا کر دکھائی۔

"چل بچّے چل،" فقیر اب ہاتھ سَر سے اُوپر لے جا کر نکیل کی رسّی کو تنکیں مارنے لگا۔ "ناچ دکھا دے دریا دلوں کو، ہاتھ پھیلا دے سخیوں کے آگے، رزق کی مالک اللہ کی ذات، چل بچو نگڑے چل۔۔۔۔"

ریچھ اَپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر، اگلی ٹانگوں کے پنجے ہوا میں ڈھیلے چھوڑے، بھونڈے اَنداز میں ہلنے لگا۔ اُس وَقت تین سالہ بچّے نے اُس دُھوپ میں ریچھ کی ناف سے نیچے لٹکتے ہُوئے کالے بالوں کے اَندر اُس کے آلاتِ تناسل دیکھے جو اُس کے بدَن کی حرکت کے ساتھ آہستہ آہستہ تھرک رہے تھے۔ معا بچّے کے دِل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جگہ جہاں گول گول چیزیں اُچھل رہی تھیں ریچھ کا جادُو کا بٹوا تھا جس میں اُس نے گیندیں چھپا رکھی تھیں۔ اِس خیال نے پل بھر کے لئے بچّے کے دِل پر ایسا قبضہ جمایا کہ اُسے اَپنے آپ کا ہوش نہ رہا۔ چمکتی ہُوئی دُھوپ میں ریچھ چکّر لگاتا ہوا اب اُس کے عین سامنے کھڑا تھا۔ دُھوپ اُس کے کالے بالوں سے پھسلتی ہُوئی نیچے ساری زمین کو لپیٹ میں لئے ہُوئے تھی۔ بچہ ایک ایک بال کو، اُس کی باریک کالی آنکھوں، اُس کی تھوتھنی، اُس کے لٹکے ہُوئے اگلے پنجوں، اُس کی ناف اَور اُس کے بٹوے کو الگ الگ دیکھ سکتا تھا اَور اُس درندے کی تیز اجنبی بُو کو سونگھ رہا تھا۔ اُس کو محسُوس ہوا کہ وہ اَور ریچھ دونوں تن تنہا اُس سفید دُھوپ کے جال میں ایک دُوسرے کے ساتھ بندھے ہُوئے ہیں اَور اِن کے سوا کوئی بندہ بشر اُس میدان میں موجُود نہیں ہے۔ بچّے نے بے اختیار قدم آگے بڑھایا اَور ہاتھ سے ریچھ کے بٹوے کو چھُو لیا۔ اَپنی ننھی انگلیوں پہ جنگلی جانور کے کھُردرے بالوں کی رگڑ کو اُس نے قرب کی اِس شدت سے محسُوس کیا کہ ایک لمحے کا وہ لمس عمُر بھر کے لئے اُس کے حواس پہ مُہر ہوگیا۔ سارے مجمعے میں سے ایک مختصر ہُوک نما آواز بلند ہُوئی اَور پھر یک دم خاموشی چھاگئی۔ اُس خاموشی کے اَندر ریچھ نے ایک جھرجھری لی اَور اُس کے بدَن سے ایک خوفناک، ٹُوٹی پھوٹی غُراتی ہُوئی آواز نکلی۔ یکایک بچّے کا سحر ٹُوٹ گیا۔ اُس نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کئے اَور چیخ چیخ کر رونے لگا۔ اُس کے دِل پہ اب خَوف کا سایہ اَندھیرا کئے ہُوئے تھا۔ اُس کی آنکھیں مِچی تھیں اَور اُسے کُچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ تاہم اِس دہشت کے اَندر کہیں اُس کا ایک احساس موجُود تھا کہ ایک ہاتھ لپک کر اُسے اُٹھا لے گا اَور اُس کو ڈر سے دُور لے جائے گا۔

اٹھارہ سالہ اعجاز نے لپک کر اَپنے تین سالہ بھائی سرفراز کو گود میں اُٹھا لیا۔ اُس نے بچّے کا چہرہ اَپنے سینے میں چھپا کر اُس کا سَر کندھے سے لگا لیا اَور ہَولے ہَولے اُس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں بچّے کی چیخیں رُک گئیں۔ اُس کے آنسو تھم چکے تھے، مگر اُس نے اَپنی آنکھیں نہ کھولیں اَور نہ ہی سَر اُٹھا کر دیکھا۔ اُس چوڑے سینے میں مُنہ چھپا کر بچّے کے دِل کو آرام آنے لگا تھا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُس سینے سے چمٹ کر سویا رہنا چاہتا تھا۔ تین سالہ احساس میں بس اِتنی سی پہچان تھی کہ اُن بڑے بڑے بازُوؤں، اُس سینے اَور اُس چہرے کی حفاظت میں ڈر دُور ہو جاتا تھا۔ بچپن سے لے کر جوان ہونے تک، اَور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس وَقت تَک بھی جب وہ قدوقامت میں اَپنے بھائی سے سَر نکال چُکا تھا اَور رُتبے میں اُس سے آگے بڑھ گیا تھا، اُس کے دِل میں ہمیشہ ہمیشہ یہ اطمینان بخش احساس قائم رہا کہ اُس کے بھائی کے ہاتھ اُس کی پیٹھ کے پیچھے تھپکی دینے کو موجُود تھے۔

مگر اب دُنیا بدَل چکی تھی۔ پچھلے دو دِن کے اَندر وہ سینہ سرفراز سے چھن گیا تھا۔ ریل گاڑی کے ڈبے میں بیٹھے بیٹھے اب تحفظ کا وہ احساس سرفراز کے دِل میں ایک ائل عدم موجُودگی کی شکل اختیار کر چُکا تھا۔ اب وہ اِس صُورت سے دوچار تھا کہ کِس طرح وہ اَپنے بھائی کے خیال کو ذہن سے رفع کرے۔ اعجاز کا چہرہ تھا کہ ایک ضِد کی مانِند اُس کی یاد میں آئے چلا جاتا تھا۔ ہیجان کی حالت میں آخر اَپنی قوت ارادی کو بروئے کار لا کر ایک بار پھر اُس نے نسرین کو یاد کرنے کی کوشش کی، جیسے کہ وہ اُس زہر کا تریاق ہو جو سرفراز کے اَندر پھیلتا جا رہا تھا۔

"تُمہیں سردیوں میں بھی پسینہ آتا ہے؟"

"کھُلے مساموں والا آدمی ہُوں، تُمہاری طرح لپٹا لپٹایا تھوڑا رہتا ہُوں۔ یہ دیکھو۔"

"ہائے کِتنے بال ہیں تُمہاری چھاتی پہ، ریچھ کی طرح سیاہ کالے، پیٹ تک جا پہنچے ہیں، جِلد تک دکھائی نہیں دیتی، کِسی جانور کی نسل سے ہو۔۔۔۔"

"اسی لئے تو تُمہیں پسند ہوں۔"

"ہٹو پرے۔"

"تُم شیر کی آواز پہ کھنچی جاتی تھی کہ نہیں؟"

"وہ تو شیر تھا۔"

"شیر جانور نہیں ہوتا؟"

"شیر تو شیر ہوتا ہے۔"

"اُس کی چھاتی پہ بھی بال ہوتے ہیں۔"

"ہاہاہا۔۔۔۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"تُم نے شیر دیکھا ہی نہیں۔"

"بنگال میں رہ کر آیا ہُوں دیکھا کیسے نہیں؟"

"اُوٹ پٹانگ مار رہے ہو۔"

"تُم کوئی زو آلوجسٹ ہو؟ شیر کی چھاتی پہ بال ہوتے ہیَں۔ مَیں اِس کی گواہی دیتا ہوں۔"

"یہ تُمہاری مردوں والی شیخیاں ہیَں، حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔"

"کیسے نہیں ہے؟"

"شیر دیکھا ہوتا تو ایسی ڈینگ نہ مارتے۔"

"چلو تُم بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں؟"

"شیر کی چھاتی پہ بال نہیں ہوتے؟"

"اونہوں۔ شیر کے بدَن پہ باریک پشم اُگی ہوتی ہے، ایسی کہ بس جِلد کی جِلد ہی لگتی ہے۔ اَور ببر شیر کی صرف گردن پر بال ہوتے ہیَں۔"

"پھر اصل شیر کی چھاتی پہ بال ہُوئے ناء۔"

"گردن گردن ہوتی ہے بیوقوف، چھاتی نہیں ہوتی، شیروں کی چھاتیوں پہ تو ریشم منڈھا ہوتا ہے۔ ہائے کیا چھاتیاں ہوتی ہیَں، ریشم کی جِلد کے اَندر پٹھے گتھل متھل کرتے ہیَں۔"

"جیسے تُمہاری چھاتی میں کرتے ہیَں۔"

"شرم کرو۔ کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو ایسی باتوں پہ اُتر آتے ہو۔"

"کیسی باتوں پہ اُتر آتا ہوں؟ یہ دیکھو، گتھل متھل۔۔۔۔"

"سری، ہاتھ مت چلاؤ۔ تُمہیں بہت آزادی مل گئی ہے۔"

"میں شرط سے کہتا ہوں کہ تُمہاری چھاتی پہ بھی بال ہیَں۔"

"ارے جاؤ۔"

"نہیں تو دکھاؤ۔ شرط ہار جاؤں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا بیوقوفوں والی باتیں کر رہے ہو۔"

"شرط جیتنا نہیں چاہتیں؟"

"اچھا بولو، کیا شرط لگاتے ہو؟"

"جو بھی چاہو۔"

"یہ کیا بات ہوئی، ساری دُنیا مانگوں تو مل جائے گی؟"

"جتنی دُنیا میرے ہاتھ میں ہے دے دوں گا۔"

"ہاہاہا، یہ خُوب رہی۔"

"کیوں؟"

"تُمہارے ہاتھ میں ہی کتنی دُنیا۔"

"جان تو ہے۔"

"جان دے دو گے؟"

"ہاں۔"

"پھر بڑیں ہانکنے لگے؟"

"شرط پُوری کر کے دیکھ لو۔"

"تُمہیں پتا ہے میں یہ شرط پُوری نہیں کروں گی۔"

"ہار گئی۔"

"واہ جی، خُود ہی وکیل اَور خُود ہی جج۔"

"ہاہاہا۔ تُمہیں محاورے بھی ٹھیک سے نہیں آتے۔"

"تُمہیں جو آتے ہیں۔ باتیں کرنے میں بڑے شیر ہو۔"

"ویسے بھی شیر ہوں۔ تُمہیں خُود شرط جیت کر دکھاتا ہوں۔"

"کیسے؟"

"آنکھیں بند کرو۔"

"لو۔ ارے رے رے --- ہٹو، سری مت ---- مت کرو ---- شرم کرو۔ دیکھو میں شور مچا دُوں گی۔ اچھا رُکو، ٹھہرو، میرے ہاتھ چھوڑ دو۔ یہ لو۔ دیکھ لیا؟"

"واہ، ایک بٹن سے کیا ہوتا ہے۔ گردن بھی پُوری نظر نہیں آ رہی۔"